

# لالٹین

مدھوکر سنگھ

مترجم

ابرار رحمانی

قیمت : 7.00

ISBN 81-237-4027-1

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

یہ کتاب پروڑھ شکشا سنچالنالیہ، مدھیہ پردیش کے تعاون سے بھوپال میں منعقدہ ورکشاپ میں تیار کی گئی ہے۔

ISBN 81-237-4027-1

پہلا اردو ایڈیشن : 2003 (ساکا 1925)

Lalten *(Urdu)*

قیمت : 7.00

ناشر : ڈائریکٹر، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
A-5 گرین پارک، نئی دہلی۔ 110016

سون-کچھار پر گہرا سناٹا تھا۔ کالی اندھیری رات میں گھاٹ پر لگی کشتیاں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ ایک کشتی کے اندر سے لالٹین کی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ پتا نہیں، آج کیوں سون بابا کی لہریں بھی خاموش تھیں۔

وہ لوگ کل سات آدمی تھے۔ ان کے منہ کپڑے سے ڈھکے تھے۔ کندھے پر بندوقیں لٹک رہی تھیں۔ ایک کشتی کے قریب آ کر بولا: ''اندر کوئی ہے؟''

ایک عورت اور ایک مرد ڈرتے ہوئے باہر نکلے۔ ان کے پیچھے ان کے دونوں بچے بھی تھے۔ ملاح نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے ''کوئی حکم ہے، سرکار؟''

''کشتی اُس پار لے چلو۔'' وہ آدمی رعب میں بولا۔

وہ ایک ایک کرکے کشتی میں سوار ہوتے گئے، مگر ملاح جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہا— گم صم اور چپ چاپ۔

''سنا نہیں، ہم کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس نے پھر ڈپٹتے ہوئے کہا، ''ہمیں اس پار جانا ہے۔''

''اس طوفانی رات میں اس پار جانا بہت کٹھن ہے مالک۔'' ملاح ڈر سے کانپ رہا تھا، ''آپ کشتی میں آرام کریں، ہم لوگ ریت پر سو رہیں گے۔ صبح مَیں اُس پار پہنچا دوں گا۔''



اس نے ملاح کو زوردار تھپڑ مالا، وہ بھربھرا کر ریت پر لیٹ گیا۔ ''ہم جو چاہتے ہیں، وہی کرنا پڑے گا، اُٹھ جلدی۔''

کشتی اس پار چل پڑی۔ عورت اور بچے ایک طرف دبکے رہے۔ ڈانڈ پکڑے ہاتھ تھرتھرا رہے تھے۔ ہوا میں ابھی تک برہا کے سُر گونج رہے تھے۔

سُر دو ہے سُرستی،
کنٹھوا میں سُر وا اَپار
ہمرو جِنگیا میں کہیا لے ہے مائیا،
کُچھ کُچھ کریا اُنہار!

پانی سے چھَپ چھَپ آواز دونوں دشاؤں کو چھوتی رہتی۔ کسی طرح کشتی اُس پار کے گھاٹ کو چھوتی ہے۔ ساتوں سوار ایک ایک کر نیچے اُتر آتے ہیں۔ آخری آدمی ملاح کو اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے اُتارتا ہے، ''جب تک ہم نہیں لَوٹیں، تم کو یہاں رہنا ہے۔''



''ہم رہیں گے سرکار۔''

اس پار سون-کچھار سے لگ بھگ تین کلومیٹر دور، ایک چھوٹی سی بستی ہے، بتھانی بستی۔ لگ بھگ بیس پچیس گھروں میں رَسے بسے ستّر اَسّی معصوم، کمزور لوگوں کی بستی۔ بھومی ہین مزدور کسان۔ پاس پڑوس کے گاؤں میں محنت مزدوری کر کسی طرح جیتے کھاتے لوگ۔ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ چھل، دھوکا کس چڑیا کا نام ہے۔ ان کی نظر میں سب کچھ سندر ہے۔ پاون اور مَن بھاون ہے۔

تھکے ہارے وہ اپنی اپنی جھونپڑیوں میں نڈھال پڑے ہیں۔ اچانک کھلیان پر سناٹے میں بندوق کا دھماکا۔ بستی میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ ''بھاگو بھاگو، بچاؤ بچاؤ'' کی چیخ پکار سے پاس پڑوس کے گاؤں بھی کانپ اُٹھتے ہیں۔

بندوق کی گولیاں جب کم پڑنے لگیں، انہوں نے جھونپڑیوں میں آگ لگادی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اکسٹھ لاشیں بچھ گئیں، تین ماہ کے لڑکے سے لے کر ساٹھ سال کے بوڑھے بڑھیوں کی لاشیں۔ جوان عورتوں کے ساتھ گھناؤنے کام ہوئے۔ بعد میں ان کو بھی مار دیا گیا۔ ایک دم سیدھے سادھے،

غریب ہریجن اور کمزور لوگ۔ ایک بھی آدمی نہیں بچا، اس بتھانی بستی میں۔ جو بچے بھی ہیں وہ سب چوہوں کی طرح بھاگ نکلے ہیں۔ پوری بستی شمشان گھاٹ میں بدل گئی۔ تب بھی اس گاؤں کا نام ہے بتھانی بستی۔ کیسا جُگ زمانہ ہے کہ آدمی کو آدمی بھیڑ بکری کی طرح کاٹ کر چل دیتا ہے۔

اونچی اونچی آگ کی لپٹوں سے سون کچھار بھی تپنے لگتا ہے۔ ملاح اور اس کے بیوی بچے دبے دُبکے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔



''اے سُبلا کے بابو!'' عورت اُسے ایسے جھنجھوڑتی ہے جیسے وہ سو رہا ہو۔''

''چپ رہ۔'' عورت کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے، ''اگر ان کو پتا چل گیا نا، کہ ہم بھی ان کی لیلا دیکھ رہے ہیں تو ہمیں بھی گولی مار دیں گے۔''

عورت رو رو کر کہنے لگتی ہے ''کشتی ابھی کھول دو، اپنے گھر چلیں۔''

''ہم نہیں لَوٹ سکتے، سُبلا کی مائی۔''

''کا ہے سُبلا کے بابو۔''

ملاح اپنی بیوی کے کان میں پھسپھسا کر کہنے لگتا ہے ''انہوں نے اپنے آنے تک یہیں ٹھہرنے کے لیے کہا ہے۔ ہم نے کشتی کھول دی نا، تو ہمیں کھوج کر مار ڈالیں گے۔''

عورت سینہ تان لیتی ہے ''ہم مریں گے، چاہے جئیں گے، مگر اس پار چل کر گاؤں والوں کو جگائیں گے۔ تم ڈر گئے ہو، کشتی مَیں کھولتی ہوں۔''

تبھی بندوق کا دھماکا، بھیانک اور ڈراؤنا ٹھہاکا۔ وہ لوٹ رہے ہیں شاید! ایک دوسرے سے پھسپھساتے ہیں۔ ایڑی



اونچی کر کے اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔

''دیکھ نا سُبلا کے بابو، وہ لوگ پورے گاؤں میں آگ لگا کر کیسے تاپ رہے ہیں۔'' عورت پھسپھساتی ہے۔

ملاح بولتا ہے: ''کیا بھروسہ، وہ ہمیں بھی اسی طرح مار سکتے ہیں، سُبلا کی مائی۔ یہ لوگ ایک دم بے دل ہوتے ہیں۔ ہم انہیں کشتی پر نہیں لاتے تو ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے۔''

وہ ابھی تو باتیں کر رہے تھے، پھر کہاں چلے گئے؟'' عورت پوچھتی ہے۔

''ادھر دیکھ، ایک آدمی ماچس جلا کر بیڑی پی رہا ہے کہ نہیں؟''

ملاح دھیرے سے بولتا ہے ''ان کا پہرے دار ہوگا، ہمارے اوپر۔ سوچ نا، ہم نہیں رہیں گے تو وہ پھر کشتی سے کیسے لَوٹیں گے۔ وہ بھلے بے دل ہوں، مگر ہم بے دل نہیں ہوں گے۔''

عورت کچھ سوچنے لگتی ہے ''کچھ لوگ اتنے بے دل اور کٹھور کیوں ہوتے ہیں؟''

ملاح کہتا ہے ''اتنی بڑی بات میں کیا جانوں، مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ سب تقدیر کا پھیر ہے۔''

''اچھا بتا۔'' عورت کا ڈر دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگتا ہے۔ ''تقدیر کا پھیر صرف ہمارے لیے ہے کہ ان کے لیے بھی ہے؟''

ملاح کو تعجب ہوتا جارہا ہے۔ یہ عورت ایسے سوال پہلے تو کبھی نہیں کرتی تھی آج اس کے اندر سُرستی کہاں سے آگئی؟ کہتا ہے: ''مجھ سے ایسے پوچھ رہی ہے جیسے میں کوئی بڑا اور سمجھ دار ہوں۔''

عورت بولتی ہے: ''سمجھ دار تو میں بھی نہیں ہوں، مگر انسان ہوں۔ تو ایسے سوال بار بار اٹھیں گے۔''

''میری عقل کوئی کام نہیں کررہی۔''

عورت کو غصہ آتا ہے، مگر میری عقل کام کررہی ہے۔ ملاح پوچھتا ہے: ''تب تو ہی سمجھا نا مجھے؟'' عورت اسے ایسے سمجھانے لگتی ہے جیسے وہی بچہ ہو: ''ڈرپوک مت بن میری بات سمجھ۔''

ملاح بار بار اس کا منہ دیکھ رہا ہے۔ تو پڑھ لکھ گئی کیسے اچانک ''یہ بھی تقدیر کا پھیر ہے۔''



کہہ کر عورت کھل کھلا کر ہنس پڑتی ہے۔

''مطلب؟'' ابھی تک مرد حیرانی میں ہے۔''

''مطلب یہی کہ جب تک ڈر سامنے نہیں ہے تبھی تک آدمی اس سے ڈرتا ہے، لیکن جب ڈر ایک دم سامنے ہوتا ہے تب ڈر بھی مر جاتا ہے۔ آدمی کے اندر ایک نیا آدمی جنم لیتا ہے۔ اس نئے آدمی کو پڑھا، لکھا سمجھو، چاہے سمجھ دار۔ اس لئے عقل یا سمجھ کوئی باہری چیز نہیں ہوتی۔ وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ اگر سمجھ جاتے تو کشتی میں ظالموں کو بٹھا کر اس پار نہیں لاتے۔''

مرد کی عقل جیسے لوٹی ہو؟ ''اب تو ہی آگے آگے بول۔ میں عمل کروں گا، جیسے جیسے تو کہے گی۔''

خوشی میں مرد اس کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے۔ وہ بولی: ''کشتی کے اندر جو لالٹین ٹمٹما رہی ہے نا، دونوں مل کر اسے اٹھا لیں۔ چل کنارے، کنارے کے گاؤں میں۔ کھیت اور کھلیانوں میں۔ جو چادر کھینچے ابھی تک سو رہے ہیں ان کو اٹھائیں گے۔ ان کو ہلا ہلا کر اٹھائیں گے، اٹھو۔ تمہارے کھیتوں میں آگ لگی ہے۔''

مرد کو طاقت ملتی ہے۔ ''اچھی سوچ ہے۔ تب ہم دیر نہیں کریں۔''

وہ کشتی سے لالٹین اٹھاتے ہیں۔ دھیمی روشنی کو تیز کرتے ہیں۔ دونوں بچے کشتی کے اندر سو رہے ہیں۔ بچوں کی پرواہ کئے بغیر وہ کشتی سے باہر نکلتے ہیں۔

سامنے اندھیرا ہے۔ وہ اندھیرے کو چیرتے ہوئے، اندھیرے کے خلاف آگے بڑھنے لگے۔ لالٹین بجھی تو ہمت بھی بجھے گی۔ لالٹین کو عورت اوپر اٹھا لیتی ہے۔

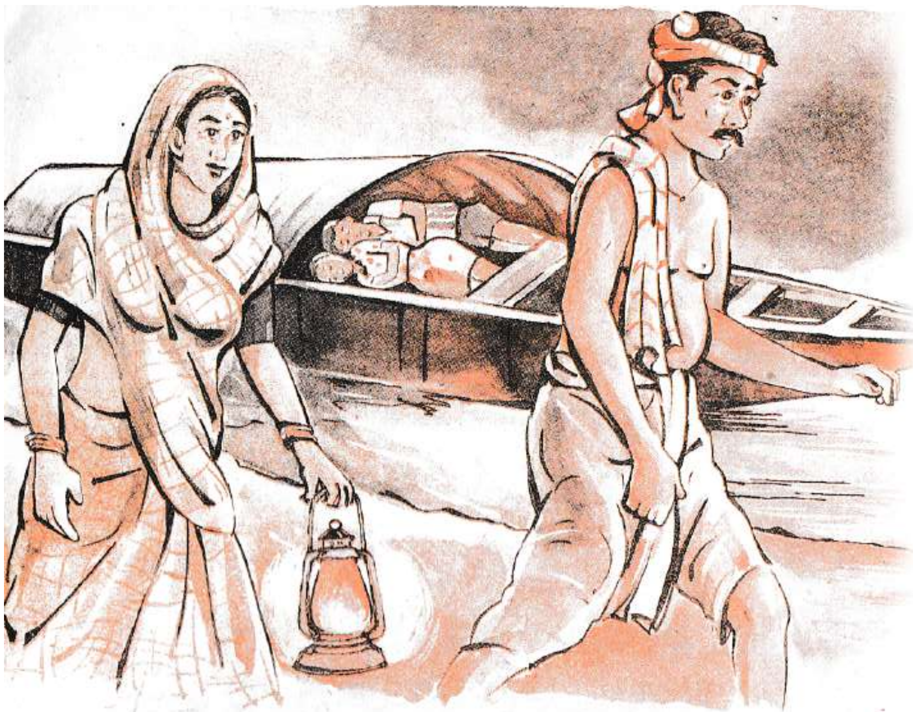
اسے سامنے کچھ دِکھتا ہے۔ اکیلا درخت کھڑا ہے۔ درخت ہے تو آس پاس ضرور کوئی گاؤں بھی ہوگا۔

''اے سبل کی ماں!'' مرد کو لگتا ہے ''اگر آدمی کے چاروں طرف اندھیرا ہو تو یہی لالٹین راستہ دکھانے کا کام کرے گی۔''

''ہاں، سبل کے بابو۔'' عورت اس کے ہاتھ میں لالٹین دیتی ہے۔ لالٹین نہیں ہوتی تو ہمیں عقل بھی نہیں ہوتی۔''

وہ پیڑ کے قریب آ کر رکتے ہیں۔ کوئی سایہ دیکھ کر چونکتے ہیں، مگر سایہ چیخ چیخ کر پھوٹ پڑتی ہے۔ ''مجھ کو چھوڑ دو۔ مت مارو مجھے۔ ماں گئی، باپ گیا، بہن بھائی سبھی چھوڑ کر چلے گئے؟





میں پاؤں پڑتی ہوں تمہارے۔''

وہ ان کے پیر پر گر کر رونے لگتی ہے۔ عورت اسے اٹھا کر سینے سے لگاتی ہے۔ ''چپ ہو جا بیٹی۔ میں بھی تمہاری ماں ہوں۔''

''اب ماں کہاں سے لوٹ کر آئے گی۔'' لڑکی لگاتار روئے جا رہی ہے۔

اچانک کوئی چڑیا اس کے ساتھ زور زور سے چیخنے لگتی ہے۔

"یہ ہمارے پاس کہاں سے آ گئی؟" عورت تعجب سے پوچھتی ہے۔

"وہ میری مینا بہن ہے۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر ڈر گئی ہے۔"

"مینا بہن؟"

"ہاں میرے آنگن کے پیڑ والی مینا بہن۔ یہ میری بہن بھی ہے، سہیلی بھی ہے، یہی تو مجھے یہاں تک ان کی آنکھوں سے بچا کر لے آئی ہے۔"

مرد اسے سمجھانے لگتا ہے۔ "آج سے یہی تیری ماں ہے۔ میں ہی تیرا بابو ہوں۔ اٹھ! چل ہمارے ساتھ۔"

"اب کہاں چلوں تمہارے ساتھ۔"

"اس سامنے کے گاؤں میں چلتے ہیں۔"

"کس لئے؟"

عورت کہتی ہے: "گاؤں والوں کو خبردار کریں گے۔ ان کو بتھانی بستی کے حادثہ کے خلاف جگائیں گے۔ اس بار تو اٹھا لالٹین اپنے ہاتھ میں۔"

وہ لڑکی بچّی نہیں تھی۔

وہ لالٹین اٹھا لیتی ہے۔ اس بار مرد دلار سے اس کا ماتھا



سہلاتا ہے۔ "بیٹی!" یہی لالٹین چاہے ظالموں کو جلا ڈالے گی، چاہے ان کے دل کے اندھیرے کو پھاڑ کر روشنی لائے گی۔"

لڑکی لالٹین لے کر آگے آگے چلنے لگتی ہے۔

ملاح کے چہرے پر مسکراہٹ دِکھتی ہے۔ پہلے وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔ ان نعروں کا مطلب۔ آج اچانک کہاں سے اس کے اندر کوئی عالم آدمی جنم لے رہا تھا۔ رات سے جوجھنے کے لئے لالٹین چاہئے۔ لالٹین کے نیچے قلم اور کتاب چاہیے۔ سچ، قلم اور کتاب گاؤں گاؤں کو چاہیے۔

وہ جھوم اٹھتا ہے۔ "سنو بیٹی؟ تو بھی سُن سبل کی ماں۔ یہی لالٹین اور قلم کتاب، یہی تین ساتھی ہیں غریب اور کمزور آدمی کے۔"

عورت کی آنکھیں اندھیرے میں بھی اسے گھورتی ہیں۔

"کہاں سے آ گئی ایک گھنٹے کے اندر اتنی ساری عقل۔"

وہ پھر سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ "دشمن پیٹھ پر کھڑا ہے، تبھی جینے کی ہمت بھی ہوئی ہے۔ آخر ہمارے جینے کا حق چھیننے والے یہ کون ہیں؟ ہم جینے کا حق چھیننے نہیں دیں گے۔"

عورت پیچھے پلٹ کر دیکھتی ہے۔ جہاں گھاٹ پر کشتی پڑی

ہے، وہاں کئی روشنیاں جھلملاتی ہیں۔ اسے لگتا ہے ظالم لوٹ آئے ہیں۔

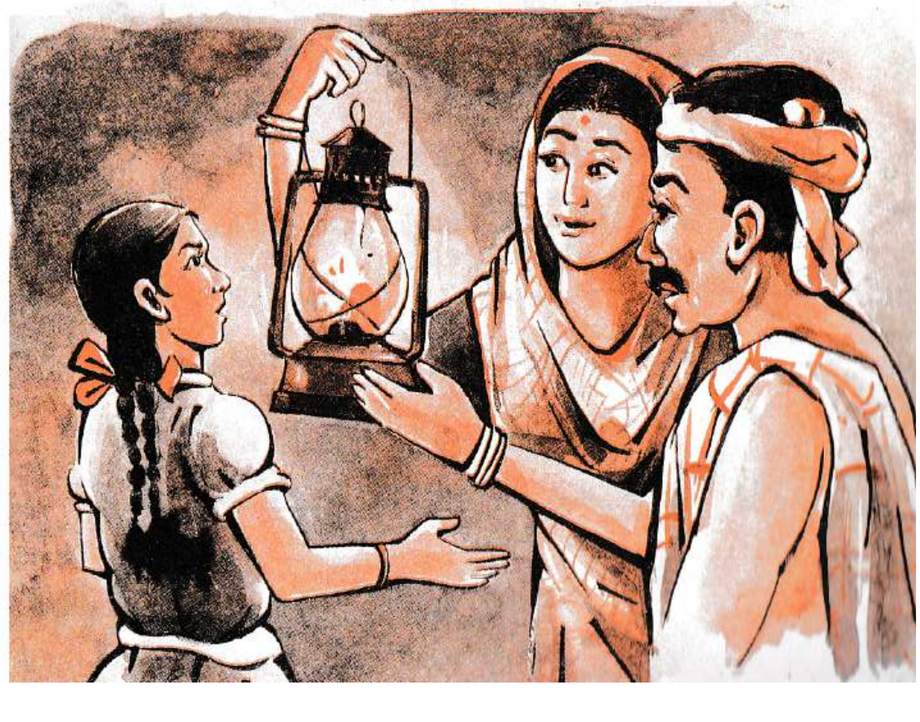
''اے جی۔ ادھر دیکھتے ہو؟'' مرد کو پیچھے موڑتی ہے۔

''وہ سچ مچ آ گئے ہیں۔'' مرد بولتا ہے، جلدی چلو، نہیں تو بچّوں کو مار ڈالیں گے۔

''وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں؟''

''بے دل آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

عورت کو طاقت ملتی ہے۔ ''یہ رہی تمہاری لاکھ روپے کی



بات۔''

دونوں لڑکی کو سمجھاتے بجھاتے ہیں۔ ''ہم پھر ملیں گے۔ تم اپنی مینا بہن کے ساتھ گاؤں کے لوگوں کو خبردار کرو۔ ہم پھر لوٹ کر اسی گاؤں میں ملتے ہیں۔''

ملاح اور عورت کشتی کے قریب لوٹ آتے ہیں۔ ظالموں کو لے کر کشتی اس پار کے لیے چل پڑتی ہے۔

ظالم اتر کر آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ ''گواہوں کو زندہ چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

بندوق سے نکلی چار گولیاں سناٹے کو چیرتی ہے۔ ملاح، عورت اور اس کے بچّے ہمیشہ کے لیے چپ ہو جاتے ہیں۔

اس پار کھڑی لڑکی لالٹین آکاش کی جانب اٹھائے زوروں سے چیختی ہے۔ مگر اس کی چیخ اس بار ڈر کی نہیں، غصے کی تھی۔

انسانی حقوق کی عوامی اعلانیہ کے آرٹیکل (3) کے مطابق:
ہر ایک انسان کو زندگی، آزادی اور اپنے جسم کی حفاظت کا حق ہے۔

ہندوستانی آئین اور قانون کے نظم کے آرٹیکل (21) کے مطابق:
کسی شخص کو اس کی زندگی یا جسمانی آزادی سے قانون کے مطابق مقررہ عمل کے مطابق ہی الگ کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

Lasertypeseting at National Computer Centre, A-71, Abul Fazl Enclave, New Delhi-25, and printed at India International Press, Naraina, New Delhi-110028